شمیم اختر

اقبال کا تصورِ بے خودی

اقبال نے اپنی شعری تصانیف ''اسرارِ خودی'' اور ''رموزِ بے خودی'' میں ایک نظامِ حیات پیش کیا ہے۔ اگر اقبال کا فلسفۂ خودی فرد کی انفرادی حیثیت کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے تو ان کا فلسفۂ بے خودی فرد کی اجتماعی حیثیت کو اجاگر کرتا ہے۔ انسان کی زندگی محض انفرادی نہیں ہوتی بلکہ ایک معاشرتی حیوان ہونے کی وجہ سے وہ ایک جماعت کا فرد بھی ہوتا ہے اور جماعت سے وابستگی اس کی شخصیت کی تعمیر اور تربیت کے لیے ضروری ہے۔

فرد اور معاشرے کے تعلق کے حوالے سے یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ فرد معاشرے کے لیے ہے یا معاشرہ فرد کے لیے ہے۔ کیا معاشرے کے استحکام کے لیے فرد کو قربانی دینی چاہیے یا معاشرے کا یہ فرض ہے کہ وہ افراد کو تحفظ فراہم کرے۔ انسان نے جب سے تمدنی زندگی کا آغاز کیا یہ سوال اس کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔

فرد اور معاشرے کے تعلق کے حوالے سے دو نظریے ہیں۔ ایک نظریہ فرد کے مطلق العنان رہنے پر زور دیتا ہے، جبکہ دوسرا نظریہ جماعت کو معبود قرار دیتا ہے اور فرد کی انفرادیت اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ افلاطون نے یہ نظریہ پیش کیا کہ حقیقی وجود معاشرے کا ہے فرد کا نہیں۔

اس تصور کے برعکس ملوکیت کا یہ تصور ہے کہ رعایا کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ صرف ایک فرد یعنی بادشاہ کی حیثیت ہوتی ہے اور باقی لوگ اس کے غلام ہوتے ہیں۔ جرمن فلسفی نطشے نے فرد کو مطلق العنان بنا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ جماعت کی پابندیاں فرد

Scanned by CamScanner

کی شخصیت کے ارتقا میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ ہیگل نے جماعت اور مملکت کو اہمیت دی اور فرد کی انفرادیت کو ختم کر دیا۔ کارل مارکس نے اشتراکیت کا نظریہ پیش کیا جہاں صرف جماعت اہم ہوتی ہے اور فرد کی آزادی کی کوئی اہمیت نہیں۔ فرد کا وجود صرف معاشرے کے قیام اور بقا کا ذریعہ ہے ورنہ اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

فرد اور جماعت کے حوالے سے یہ دونوں نظریے افراط و تفریط کا شکار ہیں اور دونوں فرد اور جماعت کو ایک دوسرے کا حریف ثابت کرتے ہیں۔ اقبال کا تصور بے خودی اس اہم سوال کا جواب ہے کہ فرد معاشرے کے لیے ہے یا معاشرہ فرد کے لیے ہے۔ اقبال کا یہ نظریہ قرآنی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ اسلام اعتدال اور توازن کا مذہب ہے۔ اسلام نے انسان کو عزت اور تکریم عطا کی۔ ہر فرد کی انفرادیت کو تسلیم کیا اور انسانی ذات کی نشوونما کو زندگی کا مقصد قرار دیا۔ پھر معاشرے پر یہ فرض عاید کیا کہ وہ انسان کو زندگی کی ضروریات بہم پہنچائے اور اس کے کردار کی نشوونما کے لیے یکساں مواقع فراہم کرے۔ افراد کا فریضہ یہ قرار دیا کہ وہ معاشرے کو تحفظ فراہم کریں جو ان کی شخصیت کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

اقبال اسلامی نظام کو تمام بنی نوع انسان کے لیے بہترین نظام خیال کرتے ہیں۔ اسلام فرد کی شخصیت کے کسی پہلو کو جماعت کے مفاد سے الگ نہیں کرتا۔ اس کی تمام عبادات میں اجتماعیت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب میں فرد جماعت سے منسلک ہے۔ اسلامی معاشرے کی بنیاد اخوت اور مساوات پر ہے، اخوت کی رو سے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور برتری کا معیار تقویٰ ہے۔ مثنوی ''رموزِ بے خودی'' میں اقبال نے سب سے پہلے فرد اور جماعت کے ربط پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

فرد را ربط جماعت رحمت است
جوہر او را کمال از ملت است

Scanned by CamScanner

فرد می گیرد ز ملت احترام
ملت از افراد می یابد نظام

اقبال نے "خودی" اور "بے خودی" کی اصطلاحات روایتی معنوں میں استعمال نہیں کیں۔ خودی کا لفظ ان کے نزدیک انا، تکبر یا غرور کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح "بے خودی" کا لفظ آپے سے باہر ہونے یا بے ہوش ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن اقبال کے خیال میں اس کا مفہوم خودی سے باہر آنا یعنی اپنی انفرادیت کو اجتماعیت میں بدلنا ہے۔ اقبال کے نزدیک جماعت سے ربط کے بغیر فرد کی کوئی حیثیت نہیں اور جماعت کا یہ ربط فرد کی خودی کو ختم نہیں کرتا بلکہ اس کی پرورش کرتا ہے۔ اقبال نے اس تعلق کو شاخ اور شجر کی تمثیل سے واضح کیا ہے کہ ہر شاخ کی اپنی ایک مخصوص حیثیت ہے لیکن شجر سے منقطع ہو کر شاخ سرسبز نہیں رہ سکتی:

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تُو
نا آشنا ہے قاعدۂ روزگار سے
ملّت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

اقبال نے قطرے اور سمندر کی تمثیل سے بھی فرد اور جماعت کے تعلق کو ظاہر کیا ہے۔ ان کے نزدیک فرد جو ایک قطرے کی مانند تھا، جب اس کے دل میں وسعت کی خواہش پیدا ہوئی تو وہ جماعت میں شامل ہو کر سمندر بن گیا۔ اس طرح فرد کی خودی فنا نہیں ہوتی بلکہ استحکام حاصل کر لیتی ہے۔ وہ بلند مقاصد سے آشنا ہو جاتا ہے۔ اس کی خودی پائیدار ہو جاتی ہے۔ اور اس کی قوتیں منظم ہو جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

Scanned by CamScanner

فرد تا اندر جماعت گم شود
قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

قطرے کے بغیر سمندر کا وجود ممکن نہیں۔ اسی طرح افراد کے بغیر ملت نہیں بن سکتی۔ تمام قطروں کا ربط انہیں سمندر میں بدل دیتا ہے۔ اقبال انفرادیت کے قائل ہیں لیکن ان کے خیال میں اجتماعیت کے بغیر فرد کی زندگی کی تمام صلاحیتیں رائیگاں جاتی ہیں۔ فرد کی شخصیت کی تکمیل معاشرے کے بغیر ممکن نہیں۔ ذمہ داری اور فرض کا احساس معاشرے میں رہ کر اجاگر ہوتا ہے۔ اقبال خودی کے علمبردار ہونے کے باوجود اجتماعی زندگی کو اہمیت دیتے ہیں۔

وجود افراد کا مجازی ہے ہستیٔ قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زنِ طلسمِ مجاز ہو جا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اس حوالے سے خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

''فرد کی جماعت سے ربط کے بغیر کوئی حیثیت نہیں لیکن جماعت کا یہ ہمہ گیر رابطہ انسان کی انفرادی خودی کو سوخت نہیں کرتا بلکہ اس کی پرورش کرتا ہے۔''(۱)

اس حوالے سے ڈاکٹر یوسف حسین کا کہنا ہے:

''فرد اور جماعت کا تعلق ایک قسم کا زندہ عضوی (آرگینک) تعلق ہے۔ فرد اپنے آپ کو اگر چاہے بھی تو جماعت سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ جس طرح درخت کی جڑیں زمین سے غذا لیتی ہیں اسی طرح فرد کی زندگی کی جڑیں جماعت میں پوشیدہ رہتی ہیں ..... فرد کی

Scanned by CamScanner

تکمیلِ ذات سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے تعلقات کو جماعت کے
ساتھ استوار کرے ورنہ وہ اس درخت کے مثل ہو گا جس کی جڑیں
اکھڑ گئی ہوں۔''(۲)

افراد کی زندگی مختصر ہوتی ہے۔ افراد جلد جلد مٹنے والے ہوتے ہیں لیکن قومیں قائم رہتی ہیں اور اپنی آنے والی نسلوں کے ذریعے اپنی زندگی کو دائمی بنا لیتی ہیں۔ اقبال نے اس حقیقت کو ''رموزِ بے خودی'' میں تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے کہ جس طرح پھولوں کے مرجھانے کے باوجود فصلِ بہاراں باقی رہتی ہے۔ اور اگر کسی کان سے کچھ گوہر نکل بھی جائیں تو کان باقی رہتی ہے۔ اسی طرح چند افراد کے مٹ جانے سے قوم ختم نہیں ہوتی بلکہ قائم رہتی ہے۔ قوم صرف موجودہ افراد کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ یہ گزرے ہوئے انسانوں کی تاریخ بھی ہے اور اس میں آنے والی نسلیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس طرح ملت غیر محدود ہوتی ہے۔ افراد انفرادی مقاصد حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں لیکن عالمگیر مقاصد حاصل کرنے کے لیے ان کی جماعت سے وابستگی ضروری ہے۔ انسانی فرائض سرانجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ افراد میں ایثار اور خود فراموشی کا جذبہ پیدا ہو۔ فرد کی خودی جب تربیت یافتہ اور مستحکم ہو جاتی ہے تو اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچنا چاہیے۔ اسی کو اقبال بے خودی کہتے ہیں۔ یہ بے خودی فرد کو خود غرض نہیں بننے دیتی۔ جب تک فرد تنہا رہتا ہے اس کے سامنے کوئی بڑا نصب العین نہیں ہوتا اس کے دل میں اعلیٰ مقاصد کی تڑپ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس طرح قدرت نے اسے جو صلاحیتیں عطا کی ہیں وہ ضائع ہو جائیں گی۔ جماعت اس کی قوتِ عمل کو ایک ضابطے میں لاتی ہے اور اس طرح خودی ذاتی اغراض سے نکل کر جماعتی اغراض اپنا لیتی ہے اور ''میں'' ''تو'' میں بدل جاتا ہے۔ عزیز احمد کا کہنا ہے:

''بغیر اجتماعی ارتقا کے انفرادی ارتقا ممکن نہیں۔ جب تک وہ جماعت

Scanned by CamScanner

کے اندر اور جماعت کے ساتھ اپنی نمود نہ کرے، فرد کی خودی گمراہ
اور پابہ زنجیر رہے گی۔ اجتماعی ارتقا اسے حقیقی آزادی دیتا ہے .....
جماعت میں فرد کی خودی خودشکنی کر کے جماعت کی خودی بن جاتی
ہے۔ یہی رمزِ بے خودی ہے۔''(۳)

اقبال کے خیال میں فرد اور قوم ایک دوسرے کے لیے آئینے کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی افراد کی حالت اچھی ہو تو قوم کی حالت بھی اچھی ہو گی اور اگر قوم کی حالت اچھی ہو تو اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ قوم کے افراد کی حالت بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ اقبال نے اس طرح ستاروں اور کہکشاں کا ذکر کیا ہے کہ کہکشاں ستاروں ہی کا عظیم الشان جھرمٹ ہے۔ اگر ستارے یکجا نہ ہوتے تو کہکشاں صورت پذیر نہ ہوسکتی۔ موتی اور مالا کی تمثیل سے بھی اقبال نے فرد اور جماعت کے تعلق کو واضح کیا ہے کہ قوم موتیوں کی مالا ہے۔ اگر موتی نہ ہوں تو مالا کیسے بن سکتی ہے۔ اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قسم کے موتی ہوں گے اسی قسم کی مالا ہو گی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مالا تو قیمتی ہو اور موتی قیمتی نہ ہوں۔

فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند
سلک و گوہر، کہکشاں و اختر اند

اقبال کے تصورِ خودی اور بے خودی میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن درحقیقت بے خودی سے خودی کا پہلو مستحکم ہوتا ہے۔ فرد کی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ فرد کے دل میں آگے بڑھنے اور بلند ہونے کا ذوق بیدار ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر غلام عمر فرقان کا کہنا ہے:

''اقبال کا تصورِ بے خودی بادی النظر میں خودی پر پابندی ضرور ہے
لیکن اس پابندی کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ ایک وسیع
اور بے پایاں صحرا میں فکر محض یا غلط عمل کے لیے ایک رہ شناس اور

Scanned by CamScanner

راہ بین نظر کی رہنمائی کرتی ہے منزلِ مقصود کی طرف''۔(۴)

اقبال نے مصرعے اور لفظ کی تمثیل سے بھی فرد اور جماعت کے تعلق کی وضاحت کی ہے۔ ایک مصرعے میں کئی لفظ ہوتے ہیں لیکن اگر ایک لفظ بھی ادھر ادھر ہو جائے تو مصرع مہمل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ انفرادی طور پر ان الفاظ کے معنی اب بھی وہی ہوں گے جو پہلے تھے۔ مثنوی رموزِ بے خودی میں اقبال کہتے ہیں:

لفظ چوں از بیتِ خود بیروں نشست

گوہرِ مضموں بجیبِ خود شکست

اقبال کے نزدیک افراد کے باہمی ربط سے ایک ملت وجود میں آتی ہے۔ جس طرح کائنات کا نظام جذبِ باہمی پر قائم ہے اسی طرح ملت بھی جذبِ باہمی سے قائم رہتی ہے۔ جس طرح فرد کی خودی کی تعمیر ہوتی ہے اسی طرح ملت کی خودی کی تعمیر ہوتی ہے۔ افراد کے کردار کو وحدت کا روپ دینے والا مرکز توحید ہے۔ ایک خدا کی اطاعت کرنے والے خود بھی ایک ہو جاتے ہیں۔ عقیدۂ توحید ملت کے لیے ایک غیر محسوس مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ توحید کے عقیدے نے رنگ و نسل کے امتیاز کو مٹایا اور اسلام کے رشتے سے انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ توحید کا علمبردار تمام انسانوں کو ایک برادری کے طور پر دیکھتا ہے۔ رنگ و نسل کی بنا پر دوسرے انسانوں سے نفرت نہیں کرتا۔ قوم اسی وقت بنتی ہے جس وقت اس کے افراد کے تصورات و نظریات ایک جیسے ہوں جب ان کے سامنے ایک ہی نصب العین ہو۔ فکر و نظر کی ہم آہنگی وہ بنیاد ہے جس پر ایک قوم کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب سب کے سامنے خیر و شر کو پرکھنے کا معیار ایک ہو۔ یہ کیفیت صرف توحید سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

ملتِ بیضا تن و جاں لا الہ

سازِ ما را پردہ گرداں لا الہ

Scanned by CamScanner

لا الہ سرمایۂ اسرارِ ما

رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما

توحید کے عقیدے سے انسان میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ اسلام سے پہلے انسان فطرت سے خائف تھا اور موجوداتِ فطرت کی پرستش کرتا تھا۔ مثلاً چاند، سورج، ستاروں، شجر و حجر کو پوجتا تھا۔ اس کے لیے ناممکن تھا کہ وہ ان پر قدرت حاصل کرنے کی جرأت کرتا۔ اسلام نے انسان کو ذہنی اور فکری آزادی عطا کی۔ مسلمانوں کو صرف عقیدہ ہی نہیں دیا بلکہ عملی طور پر ایک نمونہ بھی پیش کیا جو حضور ﷺ کی ذات کی صورت میں ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ حضورؐ نے مساوات، اخوت اور حریت کی تعلیم دی۔ افراد کو ایک امت میں تبدیل کرنے کا ذریعہ رسالت ہے۔ رسالت ملت کی شیرازہ بندی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا لیکن یہ صرف بے جان پیکر تھا۔ اس میں حقیقی زندگی ایمان کی رُو سے پیدا ہوئی جو انسان کو رسالت کی وساطت سے ملی۔

حق - تعالیٰ پیکرِ ما آفرید

از رسالت در تنِ ما جاں دمید

از رسالت در جہاں تکوینِ ما

از رسالت دینِ ما آئینِ ما

از رسالت صد ہزار ما یک است

جزو ما از جزوِ ما لاینفک است

اجتماعی زندگی آئین سے منظم ہوتی ہے۔ اگر کسی قوم میں لا قانونیت ہو تو پھر وہ قوم، قوم نہیں رہتی بلکہ منتشر افراد کا ایک گروہ بن جاتی ہے۔ امتِ محمدیہ کا آئین و دستور قرآن ہے۔ اس کائنات کا نظام آئین اور دستور کی پابندی سے چل رہا ہے۔ اقبال اس بات کی وضاحت اس تمثیل کے ذریعے کرتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی منتشر پتیاں آئین کی

Scanned by CamScanner

پابندی سے پھول بنتی ہیں۔ پھولوں نے اپنے آپ کو آئین کا پابند بنایا تو گلدستہ بن گئے۔
آواز میں نظم وضبط پیدا ہوا تو موسیقی بن جاتی ہے ورنہ شور وغوغا ہی کہلائے گی۔

برگ گل شد چوں ز آئین بستہ شد
گل ز آئین بستہ شد، گلدستہ شد
نغمہ از ضبط صدا پیداستے
ضبط چوں رفت از صدا غوغاستے
ہستیِ مسلم ز آئین است و بس
باطنِ دینِ نبیؐ این است و بس
تاں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لا یزال است و قدیم

قومی زندگی کے لیے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمانوں کے لیے یہ مرکز خانۂ کعبہ ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان حج کے موقع پر یہاں جمع ہوتے ہیں اور اس طرح ہر ملک کے مسلمان ایک دوسرے سے مل کر ایک ہو جاتے ہیں اور عالمی وحدت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نسل، رنگ اور وطن کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔

قوم را ربط و نظام از مرکزے
روزگارش را دوام از مرکزے
راز دار و رازِ ما بیت الحرم
سوزِ ما ہم سازِ ما بیت الحرم

محمد عمران ہاشمی لکھتے ہیں:

''اقبال عالمِ اسلام کے ایک مرکز کا تصور بھی پیش کرتے ہیں اور یہ مرکز بنیادی طور پر مذہبی اور تمدنی ہے، سیاسی نہیں جسے وہ کعبہ قرار

Scanned by CamScanner

دیتے ہیں اور اس مرکز کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس
سے اجتماعی وحدت برقرار رہتی ہے۔''(۵)

اقبال مسلمانوں کے لیے ایک ایسا نظامِ حیات چاہتے تھے جس کی بنیاد قرآن ہو۔ اسلامی نظامِ حیات نے رنگ و نسل کے فرق کو مٹا دیا اور دنیا کے تمام انسانوں کو اخوت کے رشتے میں پرو دیا۔ انسان کو انسان کا احترام کرنا سکھایا۔ اقبال کے نزدیک بہترین تمدن وہ ہے جس میں ایک انسان دوسرے انسان کا احترام کرے۔ آپ کا کہنا ہے:

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصل تہذیب احترامِ آدم است

ملت افراد سے بنتی ہے اور افراد کی تعلیم و تربیت کا انحصار ماؤں پر ہوتا ہے۔ ملت کی تعمیر میں ماؤں کا بڑا حصہ ہے۔ اقبال نے قومی زندگی کی تعمیر میں عورت کے مقام اور مرتبے کا بار بار ذکر کیا ہے چونکہ عورت نسلِ انسانی کی بقا کی ضامن ہے اور اس کی تہذیب و ترقی کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ مثنوی ''رموزِ بے خودی'' میں آپ نے پورا ایک باب اسی حوالے سے لکھا ہے اور حضرت فاطمہؓ کو مسلمان عورتوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔

''رموزِ بے خودی'' میں اقبال سورۃ اخلاص کی تفسیر بیان کر کے مسلمانوں کو قومی زندگی یعنی بے خودی کے نکات سمجھاتے ہیں۔ سورۃ اخلاص مسلمانوں کو متحد رہنے، غیروں سے بے نیازی برتنے اور ایک محترم قوم بننے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ اقبال کے فلسفۂ خودی اور بے خودی کی عمارت اسلامی تہذیب کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔ ملت فرد کے کاموں کے لیے محتسب ہے۔ اس کے بغیر تنہا فرد اپنے مقاصد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اقبال نے دینِ اسلام کے نقطہ نگاہ سے فرد و ملت یعنی خودی اور بے خودی کا تعلق واضح کیا ہے چونکہ تمام انسانیت کی بھلائی اسی میں ہے۔

Scanned by CamScanner

ایک صالح اور مہذب معاشرے کی اساس توحید اور رسالت کے اصولوں پر ہوتی ہے اور اسلام اس معاشرے کی اکمل صورت ہے جو تمام بنی نوع انسان کو اخوت اور مساوات کی بنا پر تشکیل و توسیعِ خودی کے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے۔

❖•❖•❖•❖•❖

حوالہ جات

۱۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، ''فکرِ اقبال''، طبع ہفتم، بزم اقبال لاہور، ص ۴۶۶

۲۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، ''روحِ اقبال''، القمر انٹر پرائزز، لاہور، جنوری ۱۹۹۶ء

۳۔ عزیز احمد، ''اقبال نئی تشکیل''، گلوب پبلشرز، لاہور، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۶۸ء، ص ۳۲۱

۴۔ غلام عمر خان، ڈاکٹر، ''اقبال کا فلسفۂ خودی'' مرتبہ: خادم علی جاوید، ناشر محمد احسن لہامی، ۱۹۹۷ء

۵۔ محمد عمران ہاشمی، سہ ماہی ''الاقربا''، ضیاء پرنٹرز، اسلام آباد، اکتوبر-دسمبر، ۲۰۰۴ء

Scanned by CamScanner